

محمولہ و محبوبہ سیدہ زینب علیہا السلام

ہواستاد

دلم لولہ

لم یلد

بسم الرحمن الرحیم

ایمانا انکم الیہ وجہ

بزم پویشی کا پہلا منظر

بے لکۃ توحید

جس میں

بہت ضروریہ توحید پر عقلی اور نقلی بحث کی گئی ہے

من تالیفات

جناب مولانا مولوی حکیم سید ذاکر حسین صاحب اختر (مترجم پنج لکھا)

حب انکم صنف مدوح

ایوان قلم سید شیر حسن متیر زیدی لوائی دہلوی

نصف النظر ۱۳۳۱ھ مطابق اکتوبر ۱۹۲۲ء میں اپنے

مطبع پویشی دہلی میں طبع کرایا

جنت فی جنت

دارالکتاب

۳۲۵۷۲

۱۰۹۲۹

انتساب

اظهار عقیدت اہل قلم کے لئے ایک ضروری چیز سمجھا جاتا ہے۔ اسی شہودہ قدیم
کے موافق میں نے بھی چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں مگر دل پکار اٹھا کہ غافل
جس درگاہ سے تجھے ہر قسم کا رزق حاصل ہو رہا ہے کیا اس طرف جھکنا واجب نہیں
پس یفتوائے قلب میں ہر طرف سے نگاہ ہٹا کر منظرِ بومیت حقیقیہ۔ حاملِ لوائے
ولایت مطلقہ حضرت ابوالوقت۔ مربی الارواح حجۃ العصر۔ مالک الدہر
ولی دوران۔ امام الزمان کی بارگاہِ عرشِ پناہ میں اپنی قلبی گواہیوں
بطور تذکرہ حقیر پیش کرنا ہوں اور ساتھ ہی چراغِ دودمانِ ادیبہ رئیس
ابن الرشید امیر ابن الامیر عالیجناب **پوسٹ علی خان** بہادر المحاطب
یہ سالار جنگ کے لئے اسی درگاہِ ہیست بدعا ہوتا ہوں جن کی توجہ اور
تحریک سے ہیں ان رسائل کے لئے قلم اٹھا سکا۔

ذاکر حسین

جلوہ توحید

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۱۰۹۲۹

ان فی خلق السموات والارض واخلات اللیل والنهار و
الفلک التي تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل الیه من السماء
ماء فاحیا به الارض بعد موتها وبت فیها من کل دابة و
نصریف الريح والسحاب المستزین السماء والارض
لآیات لقوم یعقلون۔

انسانی فطرت کا یہ خاصہ ہے کہ اثر کو دیکھتے ہی موثر کی شان نگاہوں
میں پھر جاتی ہے۔ یہ ایک ایسی بات ہے کہ ایک بچے کا ذہن بھی اس
کی صداقت پر شہادت دینے کے لئے تیار ہو گا اور فطرت کا یہی
وہ پہلا سبق ہے جس پر ہمارے بہت سے بلکہ ہمارا مور کی بنیاد
قائم ہے۔

ایک تہیہ سہار کی خبر دیتی ہے۔ تحریر کا تباہی شان ظاہر کرتی
ہے۔ نقش قدم ظاہر کرتے ہیں کہ ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے۔
تقریر سے مقصود کے وجود کا پتہ ملتا ہے۔ نقش و نگار رستی نقاش
کی خبر دیتے ہیں۔ یہ سب کچھ صحیح ہے۔ لیکن انیس کہ انسان ایسے
صحیح اصول کو خالق کل کے مقابلہ میں ترک کرتا ہے۔ اور نہیں سمجھتا
کہ اس ترک سے عقل انسانی کی تضحیک و تذلیل اس درجے پر

ہو گئی جس سے فوق ممکن نہیں۔ سنو! ان لغات کو سنو! جو ایک روح
ملکوت انسان کی زبان سے ادا ہوئے اور خدا کا وہ کلام کہلائے
حقیقاً آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں شب و روز کے اختلاف میں
ان کشتیوں میں جو دریاؤں میں لوگوں کو نفع پہنچانے کے لئے چل پھر
رہی ہیں۔ اس پانی میں جسے اللہ نے آسمان سے نازل کیا اور زمین
کو زندہ کر دیا جبکہ وہ مردہ ہو چکی تھی اور زمین میں ہر قسم کے متحرک
جاں دار پیدا کر دئے۔ ہواؤں کے چلنے میں سیادلوں میں جو زمین
و آسمان کے درمیان سحر ہیں غرض ان تمام اشیاء میں ان تمام
لوگوں کے لئے نشانیاں موجود ہیں جو صاحبان عقل ہیں۔

کتنے تماشے کی بات ہے اور کیسے تعجب کی بات ہے کہ یہ عالم اور
اس کا من انتظام امور اتفاقہ یا مادہ بے شعور کے حوالہ کر دیا
جائے۔ گم گشتگی عقل کا حیرت انگیز منظر اس سے زیادہ کیا ہو گا۔ کہ
ایسی چیز کو خدا کی کے تحت پر جلوہ گری دی جانے لگی۔ جو حیات
سے خالی۔ ادراک سے خالی ارادہ سے خالی، علم سے خالی، کمالات سے
خالی۔ العجب ثم العجب۔ مردہ حیات بخش سمجھا جاتا ہے۔ بہل
محض منبع علم و ادراک بنتا ہے۔ نقص محض کمالات کا مصدر رہ
جاتا ہے اور فقیر محض کے ذمے جود و عطا کے اہتمام لگا۔
جاتے ہیں۔ یہ وہ گردہ ہے جسے اپنی عقل پر ناز ہے۔ اور
فلسفہ پر ناز ہے۔ اپنی حکمت پر ناز ہے۔

کہیں قوتِ ہریرہ کے آثار عجیب رنگ سے ظاہر ہوتے ہیں
سب کچھ ہوا۔ لیکن کوئی اتنی جرات نہ کر سکا کہ اس تمام انتظام

کائنات کو اپنی ذات سے منسوب کر لے۔ مجبوراً دوسرے کے
حوالے کرنا پڑا۔ یہ اور بات ہے کہ عقلی کا بوس میں گرفتار ہو کر
اسے ایک چیز کے حوالے کرنا چاہتا جو شعور و ادراک سے قطعاً خالی
ہے۔ حالانکہ نظام عالم پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ میرا خالق علیم و
حکیم ہے۔ حی ہے۔ مد رک ہے۔ مرید ہے۔ عرض تمام صفات
کمال کا وہی مبداء ہے۔ اگر خالق عالم میں یہ کمالات ہوتے تو
عالم میں ان کا وجود کیونکر پایا جاتا۔

دلائل وجودیہ

انی اللہ شک فاطر السموات والارض

اس میں شک و شبہ نہیں کہ اس کی ذات مقدس و لائل و براہین
کی احتیاج سے قطعاً بری ہے۔ تمام دلائل اپنے وجود میں اس
کے محتاج ہیں۔ پھر وہ خود ان دلائل کا محتاج کس طرح قرار
پائے گا۔ علاوہ ازیں دلائل و براہین کی ضرورت دناں پڑتی
ہے جہاں کوئی امر مشکوک فیہ سامنے آجائے۔ لیکن یہاں تو کوئی
ایسی بات ہی سامنے نہیں۔ شک۔ اور اللہ کے بارے میں شک؟
جس نے زمین و آسمان کو پیدا کر دیا۔ ایک ایک ذرہ جس کی
ہستی کی خبر دے رہا ہے۔

لیکن باوجود اس کے یہ امر جس قدر روشن ہے اسی قدر یہ
پوشیدہ ہوتا جاتا ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ کثیف حجاب کے لئے
کچھ روشنی ڈالی جائے اور وہ طریقہ استعمال کیا جائے جس پر علمائے
کے لئے معمولی عقلیں بھی تیار ہو سکیں۔ اور اس طریقہ کو زیادہ

استعمال نہ کیا جائے جس کو صرف وہی لوگ سمجھ سکتے ہوں جنہوں نے
 ان فنون کی تعلیم پائی ہے جو ایسے استدلال میں استعمال کئے جاتے ہیں
 و قلیل ماحم۔ لیکن اصل یہ ہے کہ کوئی طریقہ ہو ہمیشہ ان لوگوں کو
 لئے مفید ہوتا ہے جو قلب صافی کے کر اس میدان میں اترتے ہیں
 (۱۱) حکیم ربانی علی ابن ابیطالبؑ بے پوچھا گیا کہ آپ نے اپنے
 پروردگار کو کیونکر پہچانا فرمایا کہ عزم کی شکست اور ارادے کی
 نقض نے مجھے بتا دیا اس لئے کہ جب میں نے کوئی ارادہ کیا تو بس
 اوقات ایک شے میرے اور میرے ارادے کے درمیان حائل
 ہو گئی۔ اسی طرح جب میں نے کوئی عزم کیا تو تقنا و قدر نے میرے
 عزم کی مخالفت کی اس سے مجھے معلوم ہو گیا کہ مدبر کوئی اور ہے
 اور وہ مجھ سے اعلیٰ ہے۔

(۱۲) ایک عارف سے دلیل وجود پروردگار دریافت کی گئی
 اس نے جواب دیا کہ قلوب پر کچھ ایسی واردات کا وروہ ہوتا ہے
 کہ نفس جن کی تکذیب سے عاجز رہتا ہے۔

(۱۳) ایک عرب کا مشہور قول ہے کہ اونٹ کی منگنی اونٹ کے
 وجود پر دلالت کرتی ہے اور نقش قدم کسی جانے والے کے وجود
 کی خبر دیتے ہیں۔ پس یہ برجوں والا آسمان اور نشیب و فرازوں
 زمین کیا یہ دونو صانع جنیر کے وجود پر دلالت نہیں کرتے۔

(۱۴) ایک عالم نے اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے کہا میں نے اکثر
 علمائے اسلام کو دیکھا ہے اور سنا ہے مگر انہوں نے ان لوگوں کے
 لئے وہ راہ نہایت تنگ کر دی ہے جسے خدا و رسول نے سہل گردانا

تھا یعنی اپنے مولا اور مالک دین و دنیا کی معرفت۔

بیٹا! خدا کی پرانی کتابیں اور قرآن مجید و لائل و تنبیہات سے
ملو ہیں اور تیار ہی ہیں کہ حادثات کا محدث۔ تغیرات کا متغیر کرنے
والا۔ اوقات کا بدلنے والا ضرور کوئی ہے۔ دلائل کا جو طریقہ
ان کتابوں میں پایا جاتا ہے وہی علوم ابیہا اور علوم خاتم ابیہا
میں پایا جاتا ہے۔ صدر اول میں علماء اسلام کا بھی یہی طریقہ تھا اور
آئمہ معصومین میں سے آخری بزرگوار کی عنایت کے زمانے سے
پہلے ہی طریقہ استعمال ہوتا تھا۔

بیٹا! یہ کس قدر روشن طریقہ ہے دیکھ تو اپنی نسبت یقینی طور
سے جانتا ہے اور اس میں ہرگز کوئی اشکال نہیں کہ تو نہ اپنے
جسم کو پیدا کیا نہ اپنی روح کو نہ اپنی زندگی کو نہ اپنی عقل کو۔
اسی طرح یہ آرزو میں یہ احوال ہر شے کے لئے ایک مدت معین
ان میں سے کوئی شے تیرے اختیار سے صادر نہیں ہوتی اور پھر
ان چیزوں کو نہ تیرے ماں باپ نے پیدا کیا ہے اور نہ اُن
مہینوں نے جن کے اہلاب و ارحام میں منتقل ہوتا ہوا تو آیا ہے
کیونکہ تو یقیناً جانتا ہے کہ وہ لوگ بھی ان مقامات میں عاجز تھے
اور اگر ان مہمات پر انہیں قدرت ہوتی تو پھر ان کی آرزو میں
اور اُن کی مرادیں کبھی ان سے قطع نہ ہوتیں اور وہ موت کے
پنجہ میں گرفتار نہ ہوتے۔ ان تمام امور پر نظر کرتے ہوئے اب
یہی کہنا پڑے گا کہ اس واحد یکتا نے اس موجودات کو پیدا کیا
ہے جس کی ذات میں تجدّد و تغیر و انقلاب کا امکان نہیں۔ اور

اب تو مجبور ہے اس امر پر کہ صفات کمال خداوند عالم کو تسلیم کرے۔ اسی واسطے عقل صریحہ اور انہماک صحیحہ کی کھلی ہوئی شہادت نے تمام لوگوں کو اس امر پر متفق کر دیا کہ وہ صانع کی تصدیق کریں۔ چنانچہ تمام لوگ اس خالق و فاعل کا اقرار کر رہے ہیں۔ ہاں اختلاف اگر ہے تو اس کی ماہیت۔ اور حقیقت ذات و صفات کے تعلق۔

دیکھو اور غور کرو! خداوند عالم نے میرے وجود میں عجیب و غریب حکیمیت مضمون رکھی ہے جنہیں اعلیٰ عقل ادراک کرتے ہیں۔ اس نے مجھے جواہر دواعض و عقل و نفس و روح سے مرکب کیا۔ اب اگر تم اپنے جواہر سے سوال کرو جن سے میری صورت مرکب ہوئی ہے کہ آیا میری پیدائش و فطرت میں ان کا کوئی حصہ ہے یعنی انہوں نے مجھے پیدا کیا ہے تو انہیں عجز و فقر کا اقرار کرتے ہوئے پاؤ گے اور وہ بزبان حال فریاد کریں گے کہ اگر ہم میں یہ قدرت ہوتی تو اس قدر حادثات و تغیرات و انقلابات ہم پر طاری نہ ہوتے۔ وہ اعتراف کریں گے کہ ان تدبیروں میں قطعاً ان کا کوئی حصہ نہیں ہے بلکہ انہیں اس ترکیب کی نہ کیفیت معلوم ہے نہ ان مفردات کی تعداد نہ ان کا وزن جو اس ترکیب میں آکر جمع ہوئے ہیں لہذا یہی سوال اگر تم اعراض سے کرو گے تو وہ جواب دیں گے کہ ہم تو جواہر سے زیادہ ضعیف ہیں۔ کیونکہ ہم انہیں کی فرس ہیں اور ان سے بھی زیادہ فقراور محتاج۔ اسی طرح اگر تم میری عقل۔ میری روح اور میرے نفس سے یہی سوال کرو تو وہ متفقاً

کہیں گے کہ اے شخص تو خوب جانتا ہے کہ ہم میں سے کسی کو نیا
 کے سبب سے ضعف لاحق ہوتا ہے۔ کسی کو موت کے سبب سے
 کسی کو ذلت و رسوائی تباہ کرتی ہے۔ پس ہم تو سب کے سب اس
 کے ماتحت ہیں جو ہمارا غیر ہے وہ اپنے ارادے کے موافق جو
 نقصان سے کمال اور کمال سے نقصان کی طرف گردش دیتا ہے
 اور زمانے کی گردشوں کے ساتھ ساتھ حسب مشیت خود میں پلٹاتا
 رہتا ہے۔ اب بزبان حال واقعی جب تم نے اس امر کی تحقیق کر لی
 اور جان لیا کہ جواہر ہوں یا اعراض۔ عقول ہوں یا ارواح و
 نفوس سب کے سب متفقاً عجز و افتقار میں مساوی ہیں تو اب
 تجھے لا محالہ ایمان لینا پڑے گا کہ ہم سب کے لئے ایک فاطر ہے۔ حائق
 ہے۔ جو ہمارے عجز و افتقار سے منزہ اور پاکیزہ ہے تغیرات
 و انقلابات و تغیرات سے بری ہے۔ اور اگر اس کے کمال پر بھی
 نقصان کا سوال ظاہری ہوتا تو وہ بھی ہماری طرح دوسرے
 کا محتاج قرار پاتا۔

(۱۵) بمذاق فلسفیانہ وجود واجب پر دلیل واضح یہ ہے کہ
 کہ اگر مستغنی بالذات کا وجود نہ ہو تو مستغنی بالغیر کا وجود بھی پایا
 نہیں جاسکتا اور اس صورت میں کوئی موجود بھی نہ پایا جائے گا۔
 تو ضیح اس کی یہ ہے کہ پہلے ہم وجود کی عقلی طور پر دو قسمیں قرار
 دیتے ہیں (۱) کامل بالذات یعنی ایک ایسا وجود جسے اپنے
 کمالات حاصل کرنے کے لئے کسی دوسرے وجود کی ضرورت
 نہیں اور نفس وجود چونکہ خود کمال ہے۔ لہذا اپنے وجود

میں بھی وہ کسی کا محتاج نہ ہوگا۔ اس کا نام کامل بالذات
 اور مستغنی بالذات ہے اور کامل بالغیر یہ وہ وجود ہے جس کے
 کمالات دوسرے سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور اسی کو مستغنی
 بالغیر کہتے ہیں اس تقسیم کے بعد خود سمجھ لو کہ وجود وہ ہرگز نہیں پایا
 جاسکتا جب تک وجود بمنزلہ تسلیم نہ کیا جائے کیونکہ ہر چیز کی نسبت
 ہم سوال کریں گے آیا وہ اپنے کمالات میں کسی دوسرے کی
 محتاج ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہے اور اس کا محتاج ہونا بدلائل
 قطعیہ ثابت ہے تو فیہا ہمارا مطلب حاصل ہے۔ لیکن افسوس ہے
 کہ عالم محسوس اور عالم معقول میں کسی شے کی نسبت عدم احتیاج
 کا فتوے صادر نہیں ہو سکتا۔ خیر۔ اور اگر وہ شے کسی دوسرے
 کی محتاج ہے تو پھر اس محتاج الیہ کی نسبت بھی سوال قائم
 ہو جائے گا۔ یہ سوال ختم نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ کسی ایک ذات
 کا وجود تسلیم نہ کر لیا جائے جو اپنے وجود اور کمالات وجود
 میں قطعاً کسی کی محتاج نہ ہو اور اگر ہم ایسی ذات کو تسلیم نہ کریں
 اور تسلسل کا سلسلہ قائم رکھیں تو پھر چاہئے کہ کسی شے کا وجود ہو
 مثلاً رد کا وجود اب پر موقوف ہے تو جب تک (ب) کا وجود
 نہ ہو اس وقت تک (د) کا عام وجود میں آنا محال۔ لہذا (د) کو
 حرف غلط سمجھ کر کاٹ دیجئے اور آگے بڑھ جائے۔ آگے بڑھ کر
 (ب) کا وجود (ج) پر موقوف ہے پس (ب) کو بھی قلزن قزلئے
 جب تک کہ (ج) کا وجود نہ ہو۔ اب حضرت (ج) یا (گاہ) (د) کی
 منت کش ہے۔ لہذا اسے بھی مرتبہ وجود سے ساقط کرنا

پڑے گا جب تک کہ (د) کا وجود ہو اسی پر قیاس کرتے چلے جائیے
پس یا تو کسی ایسی چیز کا پتہ بتائیے جس کا وجود کسی دوسرے وجود پر
موقوف نہ ہو ورنہ کسی شے کا وجود بھی عقلاً پایا جانا نہ چاہیے
لیکن اشیاء کا وجود پایا جاتا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ ایک علت
العلل اور مسبب الاسباب موجود ہے اور بغیر اس کے کوئی شے بھی جلوہ
ریز نہیں ہو سکتی اسی لئے کہا جاتا ہے کہ جب تک غنی بالذات اور
کامل بالذات کا موجود ہو اس وقت تک غنی بالغیر یا کامل بالغیر کا پایا
جانا محال ہے۔

اس محال عقلی کی حقیقت تسلسل کی حالت میں تو آپنے ملاحظہ کر لی
اب دوسری صورت بھی دیکھ لیجئے اور یوں کہئے کہ (د) کا وجود ب
پر موقوف ہے۔ (ب) اپنے وجود میں (ج) کی محتاج ہے (ج) ا
منت کش (د) ہے اور (د) پھر حضرت (ل) کی زیر بار احسان ہے
کیا کہی کوئی عاقل ایسے چکر کو قبول کر سکتا ہے۔ اسی کو اصطلاح میں دو
کھینچے ہیں اور اس کا نام لگھن چکر کہلاتا ہے۔

دوستو! حقیقت یہی ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ احتیاج کا درجن
پیمائے ہوئے مرنگوں ہے واللہ العلی و انتہ الفقر ۱۷۔

(۱۸) میرے دوستو! واقعہ یہ ہے کہ وجود صارف کو لوگ نظری قرار
دیتے ہیں۔ یعنی بڑی غور و فکر اور فلسفیانہ دلیلوں کے بغیر اس کا
وجود مان نہیں جا سکتا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کا وجود بالکل ہی
ہوادادنی شامل اس کے بارے میں کافی۔ ہم فضول حیرت زدہ
ہو رہے ہیں یہ تو ایک فطری چیز ہے۔ اس کا اقرار تو فہرست

انسانی کا ایک جزو ہے۔ مادیات کے حجاب میں اس شمع کی نظر نہیں آتی۔ لیکن جس وقت مصائب و شدائد کی ہولناکیاں اس کو دور کر دیتی ہیں اس وقت اس شمع کی روشنی میں انسان تمام برکتوں سے آگاہ ہوتا ہے اور اس وقت جبلت، انسانی ایسے وجود کی طرف متوجہ ہوتی ہے جو تمام اسباب کا مسبب اور کل مشکلات کا حل کر دے والا ہے اور لطف یہ ہے کہ یہ توجہ کرنے والا اس طرف اللہ تعالیٰ ہی ہے کہ میں کدھر جا رہا ہوں کس طرف جا رہا ہوں اُف بے خبری۔
یا ایھا الانسان انک کاوخ الی ربک کدحاً ملاً
اے انسان تو اپنے رب کی طرف چل رہا ہے پوری کوشش کے ساتھ چل رہا ہے تو اس سے ضرور ملتی ہوگا۔

صادق آل محمد صلوات اللہ علیہم نے اسی بارے میں فرمایا کہ تو کبھی کشتی میں سوار ہوا ہے اس نے کہا کہ ہاں یاد ہے سفر میں کبھی ایسا واقعہ بھی پیش آیا ہے کہ اس وقت نہ کشتی تھام دے سکتی ہو اور نہ تیرا کی سے کچھ فائدہ منظور ہوا! اس وقت بیشک ارشاد ہوا کہ اس وقت تیرا قلب اس امر سے متوجہ ہے کہ ایک چیز ایسی ہے جو اس گرداب سے بچا کر لے جائے اس نے عرض کیا کہ ہاں۔ فرمایا وہی اللہ ہے وہی نجات دہندہ ہے جبکہ کوئی نجات دینے والا نہ ہو وہی نجات دہندہ ہے جبکہ کوئی فریادرس نہ ہو۔

(۸) ایک عارف سے پوچھا گیا کہ جو دعائیں پڑھ کر

اس نے جواب دیا اللہ عنی الصباح ستین، صبح بخیر

روشنی سے صبح یا کُل بے نیاز اور غنی ہے۔ مطلب ظاہر ہے کہ جس طرح نظارہ صبح کے لئے چراغ کی ضرورت نہیں اسی طرح وجود صانع بھی کسی دلیل کا محتاج نہیں ہے۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب

اس بیان میں کسی صاحب ہوش کو شبہہ نہیں ہو سکتا کہ اقرار صانع فطرت انسانی کا جزو ہے۔ اس میں دو لیت ہے۔ وہ مردح الارواح ہے۔ اسی لئے اُس کے وجود کا زبان سے اقرار کر لینا کافی سمجھا گیا ہے اور انسان اس امر پر مکلف نہیں کیا گیا کہ دلائل فلسفہ و منطقہ کی بنا پر اس کے وجود کا قائل اور مقرر ہو جس طرح ہر انسان ذی ہوش جانتا ہے کہ آگ اک جلا نے والی چیز ہے اور اس سوز آتش کے لئے دلیل قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔ اسی لئے انبیاء علیہم السلام اس پر گواہ تھے کہ منکر خالق کو ہر وقت تسلط فوراً قتل کر دیا جائے۔ کیونکہ اب شخص ایک امر ضروری کا منکر ہے اور اسے اس لئے زمین پر چلنے کا کوئی حق نہیں۔ ہاں نطق و استدلال جو اس مقام میں استعمال کیا جاتا ہے وہ زیادتی بصیرت کے لئے ہے یا منکرین کی تردید کے واسطے۔ ورنہ اہل امر ان باتوں سے غنی و بے نیاز ہے۔

(۹) لیکن تا شائے یہ ہے کہ اقرار وجود صانع جس قدر ضروری و بدیہی ہے اسی قدر مبہم بھی ہے۔ تمامی موجودات میں وجود حقیقی اسی کے واسطے ہے۔ لیکن اسی کے وجود سے نشأت کے ساتھ انکار ہو رہا ہے۔ آؤ دُر اس کے اسباب پر زبرد الہی۔ جب کسی شخص کو گستاخا دیکھتے ہیں تو منہ اس کے ماتھے کی حرکت سے ہمیں شعور ہو جاتا

یہ آواز ہے۔ جب وہ سنتی ہے۔ مگر اس کی آواز میں قدرت کی
 ہر نشان ہے۔ جسکی پابندی اس کے بھی ہے۔ اس کی صورت بالکل
 معجزہ نہیں کر سکتے اور آپس میں کہ اس میں صفت عجیب اور
 ہے۔ صفت شہوت کا، اس میں کبر رنگ ہے۔ اب دیکھو وہ ۱۵ امر جو
 ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہیں۔ اس میں دو۔ وخت دو ہاں
 رنگ کس طرح جلوہ گر ہو گئے ہاں اور بھی تماشہ دیکھو کہ اس کے سر و
 قدرت کو ہری آنکھوں نے محسوس نہیں کیا۔ نہ اس کی حیات کا
 نظارہ ہوا۔ فقط ایک گواہ یعنی ہاتھ کی حرکت نے ہمیں امور قدرت
 کے تیلہ کو بتیہ پر مجبور کر دیا اور یہ چیزیں ہمارے سے بالکل
 مقدم ظہور ہیں۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ ایک گواہی کی بہت
 بہت سی چیزیں تسلیم کی جاسکتی ہیں اور پھر اس شہرت کہ غائب
 کا ہو اسی کا نام ظہور ہے۔ پس وہ چیز کہ جس پر کائنات کا درجہ
 درجہ گواہی دے رہا ہو کجا ہم اسے اظہر موجودات اور ہم
 اشیاء سے ظاہر تر نہیں مان سکتے ضرور مان سکتے ہیں اور ماسوائے
 کا۔ یہ اسی طرف دیکھو۔ اعضا کی ترکیب۔ ہڈیوں کی باہم
 اتصال۔ استخوان اور تمام جسم میں رگوں کا پھیلا ہوا جال۔ ان تمام
 گوشت کا ہی نہ۔ ہر جلد کا اندازت پھر بالوں کی نمود۔ عرق کی
 اخراج سے ظہور کی وہ بھی نہ ہے۔ یہاں اور ہم بالمشہور
 ہے۔ یہاں ہر ذرہ ہر ذرہ واقع نہیں ہو گئے۔ جس نے ہم
 اقتضا حیات کے لئے کائنات کا خود بخود حرکت نہیں کر رہا۔ یہی
 عالم ہے۔ یہاں ہر ذرہ ہر ذرہ ہر ذرہ سے مستفید ہوتا ہے۔

یا طنی سے۔ معقول ہو یا محسوس حاصر ہو یا غائب۔ بلکہ خود عقل اور
 جہل جو اس عرض تمام کائنات اسی کے گواہوں سے برز رہے اور
 اتنی گواہیوں کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس کا وجود انتہائی ظہور سے
 ہوئے ہو۔ اب تو ظہور کی شدت میں کلام نہیں ہو سکتا۔ مگر مقام
 لطیف یہ ہے کہ اسی ظہور کی شدت نے اسی عظمت و جلال ظہور سے
 عقلوں کو مدہوش کر دیا۔ اور ان مدہوشیوں کا نتیجہ انکار کی
 صورت میں نمودار ہو گیا۔

سنو! ہماری عقلیں جب کسی امر کا انکار کرتی ہیں تو اس کے
 دو سبب ہوا کرتے ہیں۔ اول یہ کہ وہ شے فی نفسہ نہایت مخفی ہو
 اور کسی طرح اس تک رسائی نہ ہو سکے۔ یہ سبب بالکل ظاہر ہے۔
 دوسرا سبب یہ ہے کہ وہ شے کمال ظہور کی حامل ہو اور اس درجہ
 اس کا ظہور ہو جس سے فوق کوئی درجہ ممکن نہیں۔ پس ایسی شے
 کے ادراک سے بھی عقلیں عاجز رہ جاتی ہیں اور اس عجز کا نتیجہ
 انکار ہو جاتا ہے۔

دیکھو! خفاش رات کو تو دیکھتی ہے۔ لیکن دن کو اُسے کچھ نظر
 نہیں آتا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ دن کا ظہور اپنے پورے کمال پر
 ادھر اس کی بصیرت ضعیف ہے وہ اس ظہور کی برداشت نہیں کر سکتی
 اور سب تک دن کی روشنی کے ساتھ ظلمت کی آمیزش ہو اور ظہور
 کی شدت میں نہ ہو اس وقت تک کچھ نظر نہیں آ سکتا۔

بالکل ہماری حالت خفاش کی سی ہے۔ ہماری عقلیں ضعیف ہیں
 جہل اور بیت کی کالیش سے کائنات برز رہے۔ چاروں طرف دن

نور پس رہا ہے۔ عالم ملک و ملکوت کا ایک ایک ذرہ ذرہ اس سے
نور سے منور ہے پس یہ ہے وہ شدت ظہور جس نے اُسے مقلوں سے
یوشیدہ کر دیا۔ یہاں تک کہ یہی عقلیں اس کے نکار پر آمادہ ہو گئیں
سبوحات سن، حجب یا شراق نورہ و اختف عن البصار و ال
بصار بظہور کا۔

پاک ہے وہ ذات مقدس جو اپنے نور کی درخشندگی کے سبب سے
حجاب میں ہے اور اپنے ظہور کے سبب بصائر اور ابصار سے مخفی۔

اے تو مخفی در ظہور خویشین
وے رخت پہتاں بوز خویشین

ایک حکیم کا قول ہے ان الله سبحانه ظاهر ليرغب فقط العالم
غائب ليرى فقط و انت من في هذه المسئلة على سسر
المصواب یعنی بیشک خداوند عالم ظاہر سے وہ کبھی غائب نہیں ہوا
اور عالم (ماسوی اللہ) ایسا غائب ہے جو کبھی ظاہر نہیں ہوا۔ لیکن
لوگوں کا یہ حال ہے کہ وہ اس مسئلہ میں ایسی بات کہے چلے جا
رہے ہیں یعنی ظاہر کو غائب سمجھ رہے ہیں اور غائب کو ظاہر ہو رہے
بالکل سچی بات ہے جو شے بذات خود کوئی وجود نہ رکھتی ہو بلکہ اس
کا تیار و دوسرے کے سبب سے ہو تو اس قیام کے مقلد قیام نہیں
کہتے سورت پر کثرت ہی بادل حیلان ہے۔ لیکن اس کے آثار و اثرات
روک نہیں سکتا۔ پس گرد و بنار مکانات شمس و چاند مخفی کو کھینک کے نکال
مکین۔ کمزور عقیدوں اس گرد و غبار میں ڈب جاتی ہیں اور غوی اہمیر
ات بناؤں کی مطلق پروا نہیں کرتے وہ انہیں چاک کرنے تو ہر

ربوبیت والوہیت کی شاعروں کی جلوہ ریزیاں دیکھتے ہیں۔
شدت ظہور سے شانِ خفا کی نمود پر ہرگز مستجب ہونا چاہیے
یہ ایک حکیمانہ اصول ہے کہ ہر شے کی کامل معرفت اس کی عند سے
ہوا کرتی ہے۔ لغزِ الہ شفاء با صد ادھا مشہور جملہ ہے۔
اس اصول کی توضیح یہ ہے کہ کسی شے کی معرفت کے لئے ہمارے پاس
آخری مقام یہ ہے کہ ہم اسے آنکھوں سے دیکھیں یا کانوں سے سنیں یا
ہاتھوں سے چھولیں یا زبان سے چکھ لیں یا ناک سے سونگ لیں مطلب
یہ کہ جو اس حتمہ ظاہری کے میدانِ عمل کا نام عالم شہادت ہو اور ہر
شے کے ظہور کا یہ آخری عالم ہے۔ اس کے فوق کوئی عالم ظہور نہیں۔
لیکن کیا اس عالم شہادت میں آجانے والی شے کو یاد دیکھ ہم اسے
جو اس ظاہری سے محسوس بھی کر رہے ہوں جان سکتے ہیں
ہرگز نہیں یہ دعویٰ آپ کو عجیب معلوم ہو گا۔ لیکن بھڑٹے ابھی
مطلب واضح ہوا جاتا ہے۔ جیر۔ پس ہماری معرفت کا توبہ حال
کہ کسی شے کو نہیں پہچان سکتے یا دیکھ عالم شہود میں رونق افراہ
اور اُدھر یہ مشکل کہ عالم شہادت انتہائے عوالم ظہور ہے۔ پھر اب بلی
معرفت کیا ہو؟ پس اس گڑھ کشائی کے لئے ایک دوسرا عالم ہے جسے
عالم احضاد کہتے ہیں۔ جو ہر عالم کا جزو ہے۔ اس عالم میں بہتہ
ہر چیز کی معرفت نہایت آسان ہے اور پھر اس کے شکل اور شکل تر
دیکھ موت نے حیات کے سنسنی بیان کئے اور حیات نے موت کے
تاریکی نے روشنی کو سمجھایا اور روشنی نے تاریکی کو۔ ترشی سے
سیرابی کو بہا دیا اور شیرینی سے ترشی کی ہلکے انداز میں کا وجود ہوتا

تو ان میں سے کسی شے کو بھی سمجھنا نہ سکتے۔ مثلاً پر غور کرو
سورج جب زمین پر اپنی شے عیس ڈالتا ہے تو ہم سمجھ لیتے ہیں کہ یہ
ایک مارنی شے ہے۔ غروب آفتاب کے ساتھ ہی یہ بھی غائب ہو جاتا
گی اس کا وجود سورج کے ساتھ ہے اور یہ روشنی سورج کا ہی پڑ
ہے۔ لیکن خیال تو کرو اگر سورج ہمیشہ جیتا رہتا اور کبھی غروب نہ ہوتا
تو ہم یہی گمان کرتے کہ اجسام محسوس میں ہوائے ن کے رنگ کے
خواہ وہ سیاہ ہو یا سفید اور کوئی چیز نہیں اس سے کہ سیاہ چیز میں
ہم سیاہی کا معائنہ کرتے ہیں اور سفید میں سفیدی کا۔ لیکن جو شے اس
سیاہی اور سفیدی کو نظر ہر کرنے والی ہے اس کی حرکت تو چاہے
نہیں کرتے۔ حالانکہ پہلی نظر اسی چیز (غروب آفتاب) پر پڑتی ہے
اس جب سورج غروب ہوا تو اس کی پسلی گئی۔ دو نور نور
کا فرق کھس گیا۔ اس وقت ہم سمجھے کہ یہ اجسام کس کی غلو سے رہتے
ہے۔ ہیں و خود نور کا علم اس کے عدم سے حاصل ہوا اگر یہ ہم
نہ ہوتا تو ہمیں اس پر مطلع ہوتے۔ باہر ہوتے ہی تیسرا نور دیکھتے ہیں
اس بیان سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ بغیر ذرات کے اس نے
کی حرکت میں کتنی شکل پیش آتی ہے۔ یہیں سے غیبی خیال ہے
کہ وہ ذات جو خود ظاہر اور دوسری اشیا کی ظاہر کرتی ہے
ہے کس قدر شدت ظہور کی حامل ہے۔ حتیٰ کہ ظہور سنی کے
سبب اس کوئی اسکی عدم ہے جس سے کچھ فرق نہیں ہوتا۔
بہذا اگر اجسام کی شکل میں اس کے بغیر کوئی شے نہیں رہتی
اگر عدم و تیسرا اس کے بغیر ہوتا تو وہ نور کا لٹا کا فرق

مسلم ہو جاتا اگر مملوات و ارض منہدم ہو جاتے۔ ملک و حکومت کا پتہ
 متاخر و محسوس مفقود ہو جاتے یا ایسا ہوتا کہ کچھ اشیاء اس کے ساتھ موجود
 ہوئیں۔ یعنی اس کے لئے دلیں بن جائیں اور کچھ کسی اور کے لئے تو اس
 وقت بھی کچھ شان افتراق سے پتہ چلتا۔ لیکن تمام اشیاء ایک ہی انداز
 پر چل رہی ہیں۔ اسی کے لئے دلیل ہیں۔ اسی کے وجود کی شاہد ہیں۔ اُدھر
 اس کا وجود ازلی وابدی ہے۔ بقائے محض اسی کے لئے ہے۔ پس لامحالہ
 شدت ظہور نے شان خفا پیدا کر دی۔ هو الظاهر هو الباطن کا راز اب
 کھلا ہے

حجاب روئے تو ہم روئے تہ درہم

بہانی از ہمہ عالم ز بسک پیدائی

وہ مقدم ہے جہاں عقلیں حیراں۔ افہام قاصر۔ اوقات سر بسجود۔
 قال قائم ہے

حق اندر ہے ز پیدائست پہاں	جہاں جلد فروغ نور حق داں
برواز بہر اور چشم دگر جو	خرد را میت تاب نور آن روئے
دے حق را نہ مانند و نہ نہ است	ظہور جسد اشیاء بحد است
منید انم چگونہ دانی اورا	جو بود ذات حق را صد و مہتا
شمارع آو بر یک سوال بودے	اگر خورشید بر یک حال بودے
بنودے پنج فرق از مغز تا پست	ندائستے کسے کیس پر تو اوست
بناشد اندر و تنبیر و تبدیل	جو نور حق ندارد و نقل و تحویل

تو پنداری جہاں خود بہت دائم

بذات خویشتن پرستہ قائم

لیکن جس شخص کی بصیرت قوی ہے۔ قلب روشن ہے۔ میزان مستدل ہے

اسے ان جوابوں کی پروا نہیں۔ اس کی دقیقہ رسنگا ہیں مگر کسی کے ظہور کا
 مشاہدہ کرتی ہیں۔ وہ اپنے افعال کو اُنسی کی قدرت کے تیار ہیں مجسب
 کرتا ہے۔ اسی کے فیض قدرت میں اسیر دیکھتا ہے۔ وہ ان افعال کو کسی
 شمار میں نہیں لاتا۔ بلکہ اس کے نزدیک وجود اسی کی وجود ہے جس کے
 سبب سے افعال کا وجود نظر آتا ہے۔ پس جس شخص کی نگاہ سرِ نقض
 پر جم جاتی ہے وہ ہر فعل میں فاعل کا نظارہ کرتا ہے۔ وہ شمس پر باب
 حیثیت توجہ نہیں کرتا کہ وہ آسمان ہے یا زمین۔ شجرے یا حجر۔ بلکہ اسے
 تو ایک صفت سمجھتا ہے۔ اس کی نگاہ غیر پر جمی ہی نہیں۔ جیسے کہ انسان نے
 کوئی شجر دیکھا یا کتا بت پر شہر ڈالی یا کسی تصنیف کو معائنہ کیا تو اس
 کا یہ نتیجہ نہیں کہ وہ کاغذ پر یہ ہی کی روانی دیکھ رہا ہے۔ یہاں یہ کہ جس
 کے اجزاء پر غور کر رہا ہے۔ بلکہ اس حجاب میں اس کی نگاہ۔ نہ عواکف
 اور مصنف تک رسائی حاصل کر رہی ہے۔ پس اگر باب قریب کے نزدیک
 یہ تمام کائنات یا صحیفہ فطرت خالق عالم کی ایک بے مثال تصنیف ہے
 اور اس شخصیت سے مصنف کے کمالات کی شاعرییں نکل نکل کر حجاب کھینچ کر
 بعیرت ہو رہی ہیں۔ لیکن کمزور نگاہ والے حسن صورت نماہنی پر
 ہی ایسے مشتعل ہو سکے کہ جس پر دد کہ ہے؟ اس کی مستحق انبر مبرا
 بنوئی۔ اور سست ہو کر اس طریقہ کی طرقت دینی کو دعوت دینی دے دو
 تھلکے پر فطاعت کی منزل سے مانگا۔ سٹاپ۔ جہالت کے حسن ظاہر ہی پر
 مئے۔ مگر معافی سے غرض نہیں اور پھر اس ظلم پرستی و ملامت کا
 لبا۔ اللہ تعالیٰ عیب۔

اتنا آپ نے کہہ لیا ہے کہ اس ذات مقدس کے بارے میں

موجودات ہے۔ شک و شبہات کے وجود کیا ہیں۔ مگر ایک اور سبب
 لطیف پر بھی توجہ کرو۔ وہ یہ کہ کائنات کے تمام محسوسات و مدركات
 جو خالق عالم کے لئے شہادت دے رہے ہیں۔ انسان انہیں دیکھنے سے
 دیکھنے کا عادی ہے یہ تمام چیزیں آہستہ آہستہ اس کے سامنے آتی ہیں
 اور ادھر وہ اپنی خواہشات میں غرق رہتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ
 یہ تمام چیزیں طول موانعت کے سبب سے اس کی نظر میں کچھ واقع نہیں
 رہتیں اور انہیں دیکھ کر کوئی اثر خاص اس کی طبیعت پر طاری نہیں ہوتا
 لیکن یہ دیکھا جاتا ہے کہ اگر دفعۃً کوئی عجیب و غریب حیوان اس کے
 سامنے آجائے یا کوئی نفل خارق عادت ظاہر ہو تو بے اختیار اس
 کی فطرت جاگ اٹھتی ہے اور وہ طبعی طور پر "بھان" اٹھتا ہے اور کوئی
 کلمہ "تقریب" کہتے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ مگر وہ شب و روز اپنے نفس کو
 اپنے اعضا کو، نیز ادر اشیا و کائنات کو برابر دیکھتا رہتا ہے جو قطعی
 وسیع ہیں اور اسے ذرا احساس نہیں ہوتا اس کا سبب کیا ہے وہی
 طول موانعت، ہر وقت ان اشیا کا پیش نظر رہتا۔ انہماک خواہشات
 اگر مادی و داندھا فرض کرو جو بارغ و عاقل ہو۔ اس کی آنکھوں
 سے پردہ اٹھا دو دفعۃً اسے زمین و آسمان و اشجار و احجار نظر
 آئیں گے یہ ایسے عجائبات اور وجود خالق پر ایسے گواہ ہونگے
 جنہیں دیکھتے ہی عجب نہیں جو شدت تعجب سے بہوش اور مبہوت ہو جائے
 غرض معرفت خالق کے باب میں لوگوں کی مثال اس دہوانے
 کی سی ہے جو گدھے پر سوار تھا اور اسی کو تلاش کرتا پھرتا تھا
 جہد میں نہ ہر وقت سر سید مبدؤ در آفتاب و نفل انرا آفتاب

بیان سابق سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ اس کا وجود اس قدر مددشن اور
ظاہر ہے جو محتاج دلیل نہیں۔ ایک تفکر و تامل اس کے لئے کافی ہے
اب جو شخص اسی فکر میں مبتلا ہے و جو زبانی کو نظری و نتائج دلیل
سمجھ کر دلائل کے حال میں اسے ابھان چاہتا ہے سمجھ لو کہ وہ اس سے
دور نکل چکا۔ وہ مجہول معانی کا متلاشی ہے، اور ساری عمر بھی اس
روگردانی میں بسر کر دے تو کچھ فائدہ حاصل نہوگا۔

تغیب یہ ہے کہ انسان وجود کا متلاشی ہے جو سامنے موجود ہے مگر فی الحقیقت
ڈھونڈ رہا ہے عدم کو اور عدم چونکہ عدم ہی ہے لہذا سمجھ میں نہیں آتا
اب یہ حیران ہے۔ حالانکہ خود اس کا نفس اس کی فکر اس کا نتیجہ اس
کی ہستی یہ سب فروعات ہستی حقیقی ہیں۔ عجب تماشہ ہے۔

آب ہر مورواں کہ آب کجاست ہر سرگشتہ کافق کجاست
ست پر ساں کہ ست رادیدی یادہ گوید کہ گوثر آب کجاست
چونکہ وجود خلاق عالمیان ایک بدیہی و فطری چیز ہے ہب کہ
بیان کیا گیا مگر اس کے ساتھ ہی بوجہ شدت ظہور و مدہم حقائق
خفا سے جوئے ہے۔ اس لئے خدائی کام میں اس کے وجود پر جو
بیاں کیئیں وہ اس رنگت بیان کیئیں ہیں جنہے قدرت عظیمہ پر جوئے ہے
جو امر فلاینطردن الی الابل کیف خلقت دانی، ستیہ نہتہ رحمت
والی الجبال کیف نصبت کی لوگ او منک کو بچن و بقت سے کہو تم
فن کیا گیا۔ آسمان پر غلام نہیں ڈالتے اسے کہو سر زمین کی
ہولی۔ پہاڑوں پر غلام نہیں ڈالتے کہو گر سب کے لئے۔ اس
ارشاد ہوتا ہے بقیہ اللیل واللیل و اللیل و اللیل فی ذالک

اولیٰ البصائر اندھی رات اور دن کو گردش و تباہی بیشک
 اس گردش میں صاحبان چشم بینا کے لئے عبرتیں ہیں کہیں تنبیہ کی
 گئی ہے فلیتظر الانسان الى طعامه انا صبتا الماء صباً ثم
 شققنا الہ دھن شققا فانبتنا فیہا حبا وحباً راحلاً
 انسان کو چاہئے کہ اپنے طوام پر غور کرے بیشک ہم نے آسمان کے
 پانی برسایا زمین کو شقی کر ڈالا اور اس میں سے دانے اور انگور اُگائے
 کہیں بتایا گیا ہے و فی النفسکما فلا تبصرون ہماری نشانیوں
 تمہارے نفسوں میں موجود ہیں کیا تم نہیں دیکھتے۔ اولہ یکف بربکم
 اندہ علی کل شیء شہید کیا ترے رب کے لئے یہ کافی نہیں کہ وہ
 ہر شے پر حاضر و ناظر ہے۔

بالکل یہی طریقہ استدلال عالمان قرآن کا ہے اور صاحبان علم
 لدنی اسی طریقہ پر کام فرماتے آتے ہیں۔ چنانچہ ایک مشہور دہریہ
 ابن ابی العوجا صادق آل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین کی خدمت میں
 آیا کرتا تھا۔ ایک دن دوران گفتگو میں بول اٹھا لہ احبیب عنہم
 خالق عالم مخلوق سے بچو یہ کیوں ہے۔ یہ پر وہ داری کس لئے۔
 نہ ت لے فرمایا و یلک کیف احبب عنک من اراک قد رت
 فی نفسک نشاک و لمتک و کبرک بعد صغرتک و قوتک
 بعد ضعفک نہ صنعتک بعد قوتک و الحدیث انفسہ پر
 تجہ پر۔ اب بھی وہ کچھ سے پردے میں رہا جس نے اپنی قدریں
 نیز سے انفس میں بچے دکھ دیں کچھ پیدا کیا جبکہ تو نہ تھا۔ صغر
 سنی سے تجہ کو کبیر اسن بتایا صنعت کے بعد تجہ قوت بخشی قوت کرا

بعد بخیر صغیف گرد باد، انما ابن ابن العوج کہتا ہے کہ آپ نے ہم
 نذر داری قدرت میان کے ایک میں، ان کے وقت کی جرات نہ کر سکی
 اور مجھے گرت ہو گیا، آج آپ تمام ان امور کو شکست کر دیں گے
 میرے اور میں کے درمیان ہیں یہیں سے میں عورت نصیب
 عورت رتبہ کی شرح بھی سمجھ میں آ سکتی ہے یعنی میں نے اپنے
 نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا

نہی و روشنی کا نذر ترخانہ است ز عکس چہرہ آن دایہ گجائے است
 خرد کہ بچہ از کائنات فساد است خراب جرعه از بان شربت است
 اے بندہ طبعیت اے دام بازیات کے گرفتار، اے ہوا و ہوس
 کے سیرنے، نہایت، درخوردنائی کے شہداء۔ آخر یہ غفلتیں کب تک
 کب تک مجھ غم کا منات پر غور کرو۔ ہر شے کے اس حاکم کو دیکھو۔ ہر
 تدبیر کے اتصال پر نظر دوڑا اور پھر متانہ داکہ

در ہر چہ متگرم تو نمودار بودہ

لے نہ نمودار رخ تو چہ بسیار بودہ

مکلفہ مندرجہ بالا جس کی طرف ارباب بصیرت کو توجہ دینی چاہی
 ہے معرفت خالق عالم کے لئے کس قدر آریزوں ہم پہنچتا ہے
 اسی سے قدرت خواجہ بیدہ بدر ہوتی ہے اور اسی ہوا سے وہ
 آگ بھڑک اٹھتی ہے جو ذرے ذرے میں پوشیدہ ہے۔ جب کہ
 ہم غافل ہیں ہر چیز کو اندھوں کی طرح دیکھ رہے ہیں۔ لیکن غفلت
 ناپردہ اٹھتی ہی ہر ایک ذرہ داری میں کی صدائے بارگشت با
 منہ دہور کہ کھینچے سے لٹکے ہوئے تیر آئے ہیں ہے۔

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتر لیت معرفت کردگار

لیکن ان آسائیوں کے باوجود اسی سلسلہ میں ایک اور پہلو کے شکل
بھی ہے۔ وہ ایک سد سکنری ہے جس سے ہر ایک عقل جا کر بکڑ کھاتی
ہے۔ اس بکڑانے کی حالت میں کچھ عقلیں تو ایسی ہیں کہ استقلال و ہمت
کے ساتھ اس دیوار آہنی کو بھی اپنا رفیق راہ قرار دے لیتی ہیں اور
بدن ایسی ہیں کہ بکڑ کھاتے ہی ہمت کا فورہ استقناں بر باد اور آخری
نتیجہ یہ کہ انکار انکار انکار۔

اس صفحہ کی شرح یہ ہے کہ عالم اور اس کے نظام حکمت، آئینہ کو دیکھو
کہ جہاں تک عقل کام کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اس عالم کو ایک مدبر اور
صانع کی ضرورت ہے جو حی ہو، قدیر ہو، عظیم ہو، مرید ہو، سمیع ہو
بعیم ہو۔ پس خلاصہ معرفت عقل یہی ہے اور اس معرفت کی گویا دو
جہتیں اور دو حیثیتیں ہیں۔ ایک منبیت کا تعلق عالم سے ہے اور اس پر
نظر کرتے ہوئے اُن معلوم ہو جاتا ہے کہ اس عالم کے لئے ایک مدبر
ہی چاہئے اور دوسری حیثیت کا تعلق ذاتِ پاری سے ہے اس پر
پر غور کرتے ہوئے جو شے ہمیں دستیاب ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ
ہند اسماء جو صفات سے مشق ہیں معلوم ہو جاتے ہیں اور بس۔
خیال تو کرو کہ اگر کوئی شخص کسی شے کی نسبت اشارہ کر کے
در یافت کرے کہ یہ کیا ہے تو اس کے جواب میں ان اسماء کا
ذکر کن جو صفات سے مشق ہوں منید ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔
مثلاً کسی حیوان کی نسبت پوچھا جائے کہ یہ کیا ہے؟ تو جواب

میں یہ کہتا کیسی کافی نہیں ہو سکتا کہ وہ طویل ہے یا عرضی ہے
 یا بصیر ہے۔ اسی طرح پانی کی نسبت سوال کرنے پر یہ بتانا کہ وہ
 کشیدی چیز ہے اور آگ کی نسبت انتشار کرنے پر یہ کہہ دینا کہ وہ چبوتے
 والی شے ہے ان میں سے کوئی شے حقیقت و ماہیت سے پر روشنی
 نہیں دلاتی۔ بلکہ ایسے جوابات کے یہ معنی ہیں کہ پانی یا آگ ایک
 بہم چیز ہے جس میں وصف برودت یا حرارت پایا جاتا ہے
 گویا یہ جوابات ایسے ہیں جن سے سائل کی تشنگی نہیں ہو سکتی
 اور مجیب کی عدم معرفت پر دلالت کرتے ہیں۔ سلی بداندانوں
 جو ہم عالم و قادر کہتے ہیں اس کے یہ معنی نکلتے ہیں کہ ایک شے بہت ہے
 جو وصف علم و قدرت سے مستصف ہے۔ اسی طرح اگر واجب الوجود
 کہہ کر اس کی تعریف کریں تو یہ مطلب ملتا آتا ہے کہ ایک ایسی شے
 ہے جو فاعل و سبب سے مستغنی ہے۔ یہی حالت دیگر اسماء کی
 سمجھیے۔ اس مقام پر پہنچ کر ہر عقل بکار اٹھے گی کہ کسی شے کی نسبت
 سوال کرنے پر کہ وہ کیا ہے؟ یہ کہتا کہ وہ مثلاً فاعل ہے کہی
 کافی ہو گا۔ عقل کا یہ حکم بھی صحیح ہے اور ادا ہر میدان وقت
 میں مدینہ اہمیت کے دروازے پر چہرہ سالی کرتے ہوئے ہوا
 ان اسماء کے اور کہ ہم نہیں کہہ سکتے۔ دیکھا کس قدر مشکل کام
 ہے اور اس حالت پر نظر کرتے ہوئے کیسی الجھن میں آ جوردی
 ہے اس فلتش اور اس الجھن میں گرفتار ہو کر بہت سی چیزیں
 سے انکار کر بیٹھیں۔ لیکن ذی القلوب بزرگوار نے یہاں ہی
 دامن ہمت مانتے سے نہ ہور۔ اور ایک عجیب گھیب قائم کر دیا۔

الجز عن ذلك الا انك ادراكك لثقله ادراكك من عاجز
 رہ جانا ہی تیرا ادراک ہے۔ سبحان اللہ عجیب ماحول قدم ہے۔ عجب
 بارگاہ ہے جسے ہم بھر کہتے ہیں اس کا نام یہاں وصال ہے جسے ہم تلخایہ
 موت سمجھتے ہیں وہ یہاں آسجیات سے موصوم۔

یہ کتبہ جو قائم ہوا ہے بلا وجہ قائم نہیں ہوا۔ غور کر لو کہ جو ہشیار
 نہیں جو اس سے محسوس ہو رہی ہیں۔ کیا ان کی حقیقت کا پتہ تم چلا
 سکتے ہو؟ نہیں! میرے دوستو نہیں۔ پھر خالق کے معاملے میں یہ کہہ
 کاوش کیوں؟ یہ غلط کس لئے؟ علم حقیقت شے کے تو یہ معنی بھی ہوتے
 ہیں کہ ہمارا علم یا ہم اس کو گھیر لیں اس کا احاطہ کر لیں تو کیا مخلوق
 خالق کا احاطہ کر سکتی ہے لادست اسی لئے ارشاد ہوا لا تفکر وافی
 ذات اللہ تم ذات خدا میں تفکر نہ کرو۔ ہاں اسکی نعمات کو دیکھو
 جو شب و روز تم پر برس رہی ہیں ارشاد معصوم ہے۔

لقد تمجد الحق طريقا الى معرفتك الا بالهجرة عن معرفتك
 تو نے سوائے ہجرت عن المعرفة کے اور کوئی طریقہ ہی معرفت کا بخود
 کے لئے نہیں رکھا۔

اس بیان سے مفہوم ہو چکا ہے کہ پہلوئے انوہیت پر نظر کرتے ہوئے
 ہمیں اقرار عجز سے ہمکنار ہونا پڑے گا اور اسی اقرار عجز میں
 انسان کی عبودیت کے راز مضمر ہیں اور سجدہ عبودیت سے انکار
 کرنے والا انسان اب سرکشی ہستی ہے۔ جس سے دنیا کو کسی
 قدرت کی امید نہ رکھنی چاہئے۔

دراصل ہو کہ معرفت صانع عالم ایک فطری چیز ہے جیسا کہ میان

نہی کرے لا الہ الا ہوا اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ وہی گناہ
 ہے وہی واحد بالذات ہے۔ اس وحدت کی کئی ہرگز مسموم نہیں
 ہو سکتی۔ اس کو وحدت مخلوقیہ سے کوئی تمایز نہیں۔ یہی وحدت
 بجا رہی ہے کہ عبارت میں یحییٰ مد نظر رہے۔ کیونکہ حقیقت عبادت
 ہے کہ وہ ذات جو قائم بالذات ہے اس کی قبولیت کو حق
 اور ہو۔ پس اس ذات واحد و یگانہ سے ہرگز کوئی معبود ہو سکتا ہے
 اس کے سوا جس قدر بھی خود ساختہ معبود ہیں سب باطل۔

خدا یا اچھا الکافرون لا اعیبنا لغیثہ و ان کہہ سے یہ رسول
 کہ اے گروہ کفار جن چیزوں کو تم پوشختے ہو میں تو ان کی پرستش
 نہیں کرتا۔

حکیم ربانی کی زبان سے اس وحدت کے معنی صحیح سن لو۔ تاکہ معلوم
 ہو جائے کہ وحدت الہی سے کیا مراد ہے۔

روز جنگ حمل ایک اعرابی امیر المومنین علیؑ ابی طالب علیہ
 السلام کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ آپ کہتے ہیں کہ
 خدا واحد ہے؟ سو گوں نے اس پر تجرم اُڑا لیا اور کہا کہ جیسے نہیں معلوم
 ہے۔ البتہ اس وقت کیسے کام میں مشغول ہیں۔ حضرت نے فرمایا
 کہ اگر وہ یقیناً وہ شے ہے جس کی بابت ہم اس قسم سے

سوچ رہے ہیں۔ پھر فرمایا کہ اعرابی سن تو واحد الی چار قسموں میں
 ہے۔ چار نہیں اور وہ قسمیں ثابت ہیں۔ اس اگر کوئی شخص
 کو بتائے کہ وہ کی قسمیں ہیں۔ تب ہی اسے یقین ہو جائے گا کہ
 خداوند شہد (دوم) کرتا ہے جبکہ ایک واحد کا واحد ہے۔

وحدت خدا کیلئے باطل ہے کیا تو نہیں دیکھتا کہ جن لوگوں نے خدا کو
ثالث ثلاثہ (تین میں کا ایک کہا) تو خدا نے ان کی تکفیر کر دی
اسی طرح اگر اے واحد کہا جائے اور وہ وحدت مراد
جائے جو نوع کو جنس کے مقابلے میں حاصل ہوتی ہے (جیسا کہ ہم
نسان کی نسبت کہہ رہے ہیں کہ وہ جنس جوہری میں سے ایک نوع ہے)۔
نویہ بھی خدا کے لئے جائز نہیں اس لئے کہ یہ تشبیہ ہے اور خدا
کی ذات اس سے بزرگ و برتر۔ اب وہ وہیں جو خدا کے
ثابت ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) اس معنی سے اے واحد کہا جائے کہ اثبات میں سے کوئی شے
اس کے ساتھ نہیں بیشک ہمارا پروردگار ایسا ہی ہے۔

(۲) واحد کے یہ معنی سے جائز کہ نہ وجود میں اسکی تقسیم ہو سکتی
ہے نہ عقل و وہم میں۔ بے شک پروردگار بزرگ کی ہی شان ہے
ہم خدا پرست جو خدا کو واحد و یگانہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔ کوئی
دو انگلی نہیں ہے۔ بلکہ عقل سلیم میں سو اسے نقطہ وحدت کے
دوسرے پہلو پر جانے ہی نہیں۔ وہی اس سے نظام عالم کو
دے رہا ہے کہ اس کا مقسم اور مدبر انتہائے جان و ادراک
ہے۔ بلکہ وہی سرچشمہ کہاں ہے۔ اسی کے کہاں۔ کی شناخت
ہے۔ اسی کی حسن آفرینیاں ہیں کہ مٹی کی تعمیر و ساز ہر
س جانتا ہے۔ اس سے بھی قلیل نظر کرو۔ انتہائے قدرت و
جہت جو یا ہے کہ اس میں ہر۔ کب تو کمال کے لئے اس نے وہ
بہت کثرت و کثرت میں ایسا شخص ہے جو کمال کو خوب

وہ محبوبیت کمال ہے جو انہیں سرچشمہ حسن کی طرف کھینچنے لے جا رہی ہے۔ میرے دوستو! یہ کمال اگر معمولی سا بھی عورت کو ملے تو معلوم ہو جائیگا کہ بختاوی میں ہی نظر آیا کرتا ہے نہ کہ دوسری میں۔ جہاں دوسری پیدا ہوئی دو توں کا کمال تشریف لے گیا یہ عجب دلچسپ فلسفہ ہے میرا کتاب
میر کس جگہ عقیں تھے میں اتنی خود نمائشیں
یہ حسن اتفاق آئینہ تیرے رویہ پر ڈھٹا

بہترین تخیل ہے۔ بہترین شاعری ہے شاعر نے معشوق کے سامنے آئینہ ٹوٹے دیکھا ایک شکل کی متعدد شکلیں پیدا ہو گئیں۔ اس تعدد اشکال و صورت سے معشوق کو شرمندہ کرنے کا پہلو نکل آیا کہ اب دعویٰ بختاوی نہ کرنا۔ تجھ سے بہت سے خود نما موجود ہیں۔ لیکن اگر معشوق جواب دے کہ دیوانے اس تعدد سے میری بختاوی پر کیا حیرت؟ میں ایک ہی ہوں جو مختلف آئینوں میں جلوہ گر ہوں۔ یہ لے میں چلا۔ اب دیکھیں یہ بہت سی شکلیں کہاں جاتی ہیں

جام گو نہ گونہ در مجلس شرا بے بیش نیست

گرچہ بسیار انداز نجم آفتابے بیش نیست

لہذا میرے دوستو۔ کمال ہمیشہ بختاوی کا پابند ہے حکماء کا مقولہ ہے ان اے کل من لا نظیر لہ کامل وہی ہے جس کی کوئی نظیر نہ ہو۔ اور قدامت بھی ایک کمال ہے۔ لہذا قدیم بھی بے نظیر اور ایک ہی کچھ۔ دو چہرہ دس میں نہیں ہو سکتے۔ پس خالق عالم جو منبع کمال ہے۔ تمام کمالات اسی کمال ازل کی شدت میں ہیں وہ ایک ہی سب کوئی اسکا شریک نہ ہو نہیں سکتا لہذا لا الہ الا

[illegible][illegible]

البركة في كل شيء

۲. خنجران فی انفسهم یضربون

THE UNIVERSITY OF CHICAGO

س کی تکس یوں کہہ سکتے ہیں کہ مادہ اپنے تنوع است میں صانع
کا محتاج ہے جو یقینی ہے دران لوگوں کا مسلہ ہے۔ لیکن اس
بنا پر ضروری ہے کہ وہ اپنی ذات میں بھی صانع کا محتاج ہو
جبکہ یقیناً ہے۔

اگر غور کرو گے تو یہ دلیل قدامت مادہ کے باطل کرنے کے لئے
کافی ہے ایصال مطلوب کے لئے کافی۔ پھر لطیفہ، اصطلاحات فلسفہ
و منطقہ سے خالی۔

مگر ہم یہ بھی تسلیم کر رہیں کہ اس میں دوئی کا جود ہے تو اس کے ساتھ
ہی عقل حاکم لگا دے گی کہ اندریں صورت یک ایسے امر کی ضرورت
ہے جو ایک کو دوسرے سے ممتاز کر دے اسی کو مابہ نامیتہ کہتے
اور بغیر اس کے دوئی کبھی متحقق نہیں ہو سکتی۔ اب وہ شے جس
کو مابہ اشتراک کہتے ہیں جو دونوں فردوں میں مشترک ہو اگر تو
ہے اس کو تو مابہ امتیاز قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس لئے کہ ان
دونوں کے احکام مختلف ہیں۔ پس مابہ نامیتہ نامی
عرض غریب کو قرار دیا جائے گا اور اندریں صورت ایک ایسے
مختص (مختص کر دینے والے) کی ضرورت ہو گی جو ایک کے
مقابل میں دوسرے کو اس عرض کے ساتھ مخصوص کر دے اور
مختص اصل میں خالق ہوا کرتا ہے۔ لہذا ان دونوں کے
ایک اور خلق کی ضرورت ہے یا اس مقام پر یہ دیا جائے گا
کہ ان دونوں میں سے ہر ایک نے اپنے آپ کو اپنے مشابہ
سبب کو کسی مابہ امتیاز (عرض غریب خارج زمانہ) کی

تو اس صورت میں تشبیہیں سنائی دوسقین بلا مختصر تیار پائی گئے۔ جو محال ہے غلط لیکن نہ کہتو احسن

یہ دلیل اگر غور کرو۔ تو ہدایت حکم پائی جائے گی۔ ذرا تھان فن تو اس دلیل سے اچھی طرح واقف ہیں ان کو سمجھانے کی ضرورت نہیں۔ لیکن جو احباب میں بیداران میں نہیں آئے۔ ان کے لئے اس کی توضیح کی جاتی ہے۔

دیکھو زید و عمرو و الناس ان میں ایک چیز ایسی ہے جس نے ان دونوں کو ایک اٹاٹے میں گھیر رکھا ہے۔ جس کا نام انسانیت ہے اس کے کچھ نہ ہے۔ دونوں ایک ہیں۔ اب جدائی اور دوئی جو ان میں محسوس ہوتا ہے۔ وہ اس امر مشترک کے ذریعے سے نہیں پہنچتی اس نے تو دور کی تین ٹی کا فتوسے دیا ہے بلکہ وہ جدا کرنے والی شے ہے لہذا تہا اور ہی ہے۔ مثلاً ان کا جسم، رنگ، طول، عرض، دھڑہ۔ اور یہی چیزیں ہیں جو ذات شخص میں داخل نہیں ہوتی بلکہ اس سے خارج ہیں۔ درضمن تریب کہلاتی ہیں۔ پس تریب و عرف کو ان اعرص سے جو مخصوص کیا ہے تو اس کا مختص ہونا ہے؟ آیا وہ خود ہر یا کوئی اور؟ اگر کوئی اور ہے تو اس سے کیا فائدہ ملتا ہے؟ اور اگر یہ خود ہیں تو غسل بخوبی کرنی ہے۔ ایک وقت میں دوستیں بلا مختصر رہے جاتے ہیں جو محسوس ہے جب تک یہ ایک دوسرے کو مخصوص تو بن کر رہیں گے جب تک نہ ہو۔

مختص ہو رہے

یہ دلیل بھی اہل فلسفہ کے نزدیک ایک حکم نہیں ہے اور

قائم و قائم رہے۔ اگر کسی شخصیت و خاندان سے، اس کا خالی لڑکھن
 ہو۔ ملا دو اس سے۔ کہ اس فن اس کی رہے۔ اس سے اور دیکھیں
 بھی اخذ کر سکتے ہیں

ایک شخصیت اس سے اور سبب طلب و میل پشرا کی ہے۔ اس سے دیکھ
 یہ کہ حالات دو ہیں۔ ایک کا اثر اپنے دوسرے کا اثر ہے۔ اس کا
 اس سے کہ وہ اس شخصیت جیسو نامیہ کما۔ دو ہیں اس شخص
 ہیں۔ پس اگر کسی اثر یا فعل کو ایک کے ساتھ نہیں کیا جائے اور
 دوسرے کا کیا ہو تو نہ چیز بلا مرغ لازم کی ہے۔ اس کے
 پر دلائل قائم کیا ہیں اور اگر یہ کہیں کہ ردو سے وہ فعل اور
 ہوا تو اس سے اس فعل واحد کا جو ایک شخص کے ساتھ ہوا
 چاہئے۔ وہ شخص سے جدا ہونا چاہئے۔ آج ہے۔ اس کا
 یہی ہے۔ مثلاً اس سے کہ ایک شخص کے ساتھ ہو۔ اس سے
 قرار نہیں پاسکتیں یہ اس جیب سے۔ اس کا اثر اس سے
 یا ہے۔ کہ اس سے اس کا اثر اس سے اس سے
 اگر نہیں وہ اس سے اس سے اس سے اس سے اس سے
 ہو جاتے۔

ان شخصیتوں کو جو مکھی جبار ہیں۔ ہم اس سے اس سے
 کی پر اس سے اس سے اس سے اس سے اس سے اس سے اس سے
 بہت اس سے اس سے اس سے اس سے اس سے اس سے اس سے اس سے
 کب تک رو کر والی ہے۔
 بلکہ اس سے اس سے اس سے اس سے اس سے اس سے اس سے اس سے

بہ تزداد را نذر گاہوار ہ
چو گشتہ یارب و نرد سفر شد
اگر مرد است ہمراہ پدر شد

آخر تر مادری و قوت تک موزوں ہے جب تک قتل و قیر کے
پروں سے اڑنے کی قوت نہیں آتی۔ لیکن پرش بہت سکتے ہی
انسان باپ کی طرف رخ رکھتا ہے حضرت عیسیٰ کا یہ قول۔
ان اسافر الی ابی اسی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ انہار نے
عقل سے بچ کر مچ کا بیٹا ہی سمجھ بیٹھے۔ مفقود ک نام طبیعت کی گرفتار
اور حضرت علیہ سے دست برداری ہیں شک و شبہات کے جال میں الجھا
رہی ہے۔

و فی کل شے آیت

تدل علی انه واحد

ہر چیز میں اس کی شان موجود ہے جو اس کی وحدت پر دلالت
کر رہی ہے۔ جو اپنی ہستی کو دیکھو اپنے اعضا کی ترکیب و تالیف
میں خرد آفر۔ باہمی اختلاف موجود ہے ایک دوسرے سے ممتاز
ہیں لیکن ایک دوسرے کو نفع پہنچانے کے لئے تیار اور سب کے سب
ایک راہی کے ہوتی۔ جس کی شکستگی موت کی مترادف ہے۔ یہ
امصاصت ظہر کر رہا ہے کہ ان کا مدبر۔ ان کی قوتوں کو انحلال
و زوال سے روکنے والا ایک ہی ہے اور یہ سب ایک ہی
مہد کی طرف سر جھکا رہے ہیں۔ اسی طرح تمام موجودات
کا ایک دوسرے کے ساتھ ہذا میت چکھانہ و حوروں کے ساتھ

نفسم موت نہ خوف نہ رجا ہے کہ ان کا سپرد غم۔ ان کا مہر و
 کی سر زنجیر کو شکستگی سے بچا سنے والا وہ جیتی ہے
 ہمہک المیزان۔ دارالرحمن تہذیب

وہ زمین و آسمان کو نشاے ہوئے ہے۔ وہی انوار نور
 سے بکھرا رہا ہے۔ اگر سر کے ساتھ کی در بھی صاف و
 ہر زمانہ ہمیشہ دعا ہے کہ کچھ نہ کچھ، تیار کی شان ہوتی۔

ایک کی صفت کا کچھ اور رنگ ہوتا۔ دوسرے کی صفت کا
 کچھ یہ مرجو وہ ارتقاہ باقی نہ رہتا اور تمام عالم اختلال و
 کی نذر ہو جاتا۔ ہر ایک صنف اپنی اپنی صفت پر ناز رہتا۔
 اور ایک دوسرے پر نفی پاتا سمجھتا اللہ تعالیٰ یصفون

صفت، مدارق علیہ السلام سے بوجہ کیا کہ تو جہد صانع پر کب
 دلیل ہے، مزا با اعداد مذکور و تمام الصبیح۔ یعنی نیلے
 عالم کے حق و شرف و تربیت کے لئے تدبیر غیب کی قدرت
 ہے لیکن ہر ایک تدبیر کی کردی وہ سری کے ساتھ رہتا
 ہے اور اسی طرح ہر صفت اپنی اپنے کمال پر فائز ہو رہی ہے
 کہ نقص نہ ہو تا ہو تو لی صفت اپنے شہاب کی
 نہ دکھا سکتی۔

میر لوہین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے اپنے
 ذرا، مہر حسن علیہ السلام کو دوست نہ ہوئے ہر

میاں متبرکات میں چاہئے کہ کہ ہر بار ہر بار

میں تو اس کے رسول بھی تم تک آئے۔ اس کے ملک اور اس کی
سلطنت کے آثار بھی تم کو نظر آتے، اس کے افعال اور اس
کی صفات کی بھی نہیں سرفت ہوتی۔ لیکن وہ وحدہ لا شریک
ہے اس کے ملک میں کوئی اسکی ضد نہیں اور نہ اس کے لئے زوال
و انحلال ہے۔

یہ نصیحت اتنی زبردست اور بہتر دلیل ہے۔ جس کے مافوق
اہل ذوق کے لئے مشہور نہیں۔ مگر دیکھنے کو چشم بینا اور سننے
کے لئے گوش شنوا کی ضرورت ہے۔ جس کا اس زمانے میں فحش
پر اہوا ہے۔

بارہا میں ان سطروں کو ختم کرتا ہوں اور میرا ایمان ہے
کہ تو کسی دلیل و برہان کا محتاج نہیں۔

کیف یستدل علیک بما ہو فی وجودہ مفتقر الیک
اس شے سے تیرے لئے کیونکر دلیل لائی جا سکتی ہے۔ جو خود
اپنے وجود میں تیری محتاج اور تیرے در کی فقیر ہے۔ اگر
معاذ اللہ تیرے وجود کا اثبات اسی دلیل پر موقوف ہو
تو ایک وقت ضرور ایسا آئے گا کہ یہ موجود نہ تھی تو پھر کیا
تو ہی اس وقت موجود نہ تھا لغائے اللہ عن ذالک
علی اکبر اثر زین و اسمان کا مالک و دلیل و برہان کا خالق
ہے، نسبت ارا بن دامت کیشیت المجتہد نے ہی دیکھ کر
تجاہل کیا۔ تو اسے ہی کہتے ہیں کہ وجود تیرا وجود باقی
نہ موجود۔

افلاہ موجود الا اللہ۔

بہت سے نکر و منکر نے بھی اس نے کی طرف بھی متوجہ
نہ ہوتے نہ جو مجھ میں بول رہی ہے

حجاب چہرہ جاں می شود غبار تنہ

چہ خوش بے دک زبں چہرہ پردہ بر تنہ

مگر وہ جس کے قبضہ میں ہوئے والی سے ہے اسی وقت
کہاں توجہ ہوئی۔

جی ورتلا طست میواج فاموش در ریلک خوشی سے
فی قبضہ قدرت سیر و ذلت عبادت سے
خداوند تیرے دیبا کے قدرت کی موجیں منہم میں سے
تیرے قبضہ قدرت میں سر ہے اور ان کا سیر کریت سے
نہایت آسن اور اہلس۔ ہاں ان سطروں سے کر کے منہم ہے
تو یہ کہ تیری مخلوق کے دل میں بڑا شوق پیدا ہے۔ شرف تو
موجود ہے۔ لیکن یہ آگ عالم طست کی سر دہری سے شرفی
ہوئی جا رہی ہے۔ چاہتا ہوں کہ یہ بڑا کر ائے درک شرف
سحر میں باد کشر کا کام دے جائیں۔

فلک محمد فی الاخذہ اولی

محمد باکسر و
محمد باکسر و

جلوہ توحید

کی جملہ آپ نے صفحہ قرطاس پر ملاحظہ فرمائی۔ یہ ان ضروری
مباحث میں سے پہلی ضرورت محسوس تھی جس کی تشنگی عام طور
پر محسوس ہو رہی تھی اور جس کی ابتداء الی منزل عقلیہ و فلسفیہ
و منطقیہ کو حضرت مولانا حکیم سید ذاکر حسین صاحب قیل کے
قلم بلاغت رقم نے مختصر ان صفحات پر جلوہ دیا ہے
لیکن بعض شناساں ملت نے جن دیگر ضروری مباحث کا
بر تو کاغذ پر حیلہ فگن دیکھنا چاہا ہے وہ مختصر رسائل
کی شکل میں ابھی بصورت مسودہ محفوظ ہیں جن کی تشریح
اسماں صفحہ ثانیہ سلسلہ پر سدرج ہے جو حضرات چاہتے
ہیں کہ ہر سالہ طبع ہوتے ہی ان کی خدمت میں روانہ
کر دیا جائے وہ اپنے اسمائے گرامی اور تاجہا کے نامی آج
ہی درج کرا دیں۔

واللہ علیٰ من اتبعہ الہدی

الوالم منیر زیدی مالک مطبعہ علمی

رسالہ نیر طبع

فلسفہ دعا - بحث عدل - حقیقت معجزہ - رد تنازع - اثبات
لقنیہ - التکلیف و العبادہ

اہل علم و ذوق پر یہ امر واضح ہے کہ دعا - عدل - معجزہ - تنازع - قنیہ
اور تکلیف و عبادت کیسے ضروری مباحث ہیں اور ان کے صاف ہونا
میں کس قدر ہدایت سفر ہے - مثال میں پہلی چیز دعا کو لے لیجئے - یہ بات
کس قدر ضروری ہے کہ دعا کے معنی کیا ہیں - اس کا عمل کیا ہے دعا
کس طرح کرنی چاہئے - نتائج دعا کے لئے کیا یقین رکھنا لازمی ہے
فلسفہ دعا میں ان تمام امور کی تشریح اور توضیح اس طرح کی
گئی ہے کہ پھر اس امر میں کوئی ضرورت استفسار و تامل باقی نہیں
رہتی -

یہ امر واضح رہے کہ ہر سالہ نہایت ضروری بحث پر شامل ہو
اس لئے تمام واقفان ملت و احباب برصغیر تک پہنچانا
اور اس حیر کا ذکر کرنا ذرائع تبلیغ میں سے ایک بہت
ذمہ داری ہے - مذہب کا ہر فرد جو مشری کی حیثیت سے کتاب
علیم میں داخل ہوتا چاہے - ہر اپنے وقت تک اطلاع
کر دے۔

پیشہ مطبع یوسفی و حلی

غلط ام

چونکہ یہ رسالہ تہایت ضروری محبت پر ہے اس لئے اس میں معمولی سی معمولی جھال
کی غلطی بھی صحیح کر دیا گیا ہے۔ لہذا پہلے صحت فرما کر ملاحظہ شروع فرمائیے۔

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲	۱	نعمات	نعمات	۱۲	۱۸	باطنی	باطنی
۵	۲	وہ کلام	کلام	۱۴	۱۸	بادل چھایا	بادل چھایا
۵	۲۰	کہیں	لیکن	۱۵	۱۵	بیک	بیک
۳	۳	ایک خیر	ایک ایسی چیز	۱۹	۱۵	اگر	ایک
۴	۶	ارادے کی	ارادے کے	۲۰	۳	ایک ادنیٰ فکر	ایک ادنیٰ فکر
۶	۱۷	اد	اور	۵	۱۶	فطرت جیمیدار	فطرت سلیمہ دار
۵	۱۸	لہذا	علیٰ ہذا	۲۵	۸	معنی بھی	معنی
۷	۴	جو	۵	۵	۱۰	لا اولہ	لا اولہ
۷	۱۲	تقلبات	تقلبات	۲۵	۱۳	للمحق	للمخلق
۷	۱۳	نظارہ	طاری	۷	۱۶	موجھا	موجھا
۸	۶	سوال کریں	سوال کریں	۷	۱۹	سرکش	سرکش
۷	۱۷	عام وجود	عالم وجود	۲۶	۳	استقامت پر	اسیر
۱۱	۱۳	اس کو اس کو	اس کو اس کو	۲۸	۱۵	اس کو	اس کو
۱۳	۵	موجود ہیں	موجود ہیں	۲۹	۵	تجہ میں	تجہ سے
۷	۱۱	حال انکا ہو	حال انکا ہو	۳۱	۶	یعنی کمال	یعنی کمال

